بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ننگے سر نماز
غیر مقلد علماء کی نظر میں

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی کا فتویٰ
مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی کا فتویٰ
پیر سیّد محب اللہ شاہ راشدی کی تحقیق
مولانا محمد اسحٰق بھٹی کی ایک فکر انگیز تحریر

جمع و ترتیب:

پیر جی سیّد مشتاق علی شاہ

ناشر
مکتبہ فاروقیہ گوبند گڑھ گوجرانوالہ

ہماری مطبوعات

1......امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر اعتراضات کے جوابات	225
2......فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات	225
3......حقائق الفقہ بجواب حقیقۃ الفقہ	250
4......آفتاب محمدی بجواب شمع محمدی	150
5......سرور العینین فی تکبیرات العیدین	30
6......جرابوں پر مسح غیر مقلد علماء کی نظر میں	30
7......مسائل اربعہ غیر مقلد علماء کی نظر میں	30
8......ننگے سر نماز غیر مقلد علماء کی نظر میں	30
9......علمائے اہل سنت کی تصنیفی خدمات	150
10......ترجمان احناف	225
11......تعارف فقہ	250
12......رکعات تراویح	90
13......نظام الاسلام یعنی ۲۵ مسائل	120
14......مجموعہ رسائل مولانا محمد امین اوکاڑوی ۴ جلدیں	600
15......مجموعہ رسائل مولانا رشید احمد گنگوہی	120
16......منزل	5
17......مجموعہ وظائف	100
18......خاص خاص سورتیں اور ان کے فضائل	12
19......امام مرغینانی	30
20......شجرہ طریقت مع کتب تصوف کا تعارف	30

ملنے کا پتہ
پیر جی کتب خانہ محلہ گوبند گڑھ گلی نمبر ۸ مکان نمبر 36/C کالج روڈ گوجرانوالہ
فون نمبر: 055-4445401

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ننگے سر نماز

غیر مقلد علماء کی نظر میں

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی کا فتویٰ

مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی کا فتویٰ

پیر سیّد محب اللہ شاہ راشدی کی تحقیق

مولانا محمد اسحٰق بھٹی کی ایک فکر انگیز تحریر

جمع و ترتیب:

پیرجی سیّد مشتاق علی شاہ

ناشر

مکتبہ فاروقیہ گوبند گڑھ گوجرانوالہ

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی غیر مقلد کا فتویٰ

سوال : بدن پر کپڑے ہوتے ہوئے سر سے ٹوپی یا پگڑی اتار کر رکھ دینی اور کوئی عذر بھی نہ ہو اور ہمیشہ اس طرح نماز پڑھنا، اگرچہ فرض نماز باجماعت مسجد میں ہو اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہؓ سے ثبوت ملتا ہے؟ اگر ملتا ہے تو عبارت مع صفحہ تحریر فرمادیں۔

۲۔ ننگے سر نماز پڑھنی افضل ہے یا سر ڈھانک کر، اگر سر ڈھانک کر نماز پڑھنی افضل ہے تو اسکی دلیل پیش فرمائیے گا؟

(عبداللہ خطیب جامع مسجد اہل حدیث ڈیرہ غازیخاں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الجواب : وباللہ التوفیق : متذکرہ صدر سوال پر تین وجوہ سے غور کیا جاسکتا ہے۔ ۱۔ مطلق جواز اور اباحت کے لحاظ سے، ۲۔ افضلیت یعنی آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے عام عمل کے لحاظ سے، ۳۔ حرمت اور عدم جواز کے لحاظ سے۔

نماز میں ستر مغلظ (شرمگاہ) کا ڈھانپنا بالاتفاق ضروری ہے ان میں سے اگر کوئی حصہ ننگا ہو تو نماز نہیں ہوگی اور ان اعضاء کا ننگا رکھنا شرعاً حرام ہے۔ بہز بن حکیم سے مروی ہے: اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ (رواہ الخمسۃ الا النسائی) بیوی اور مملوکہ کے سوا اعضاء ستر دیکھنے کا کسی کو موقع نہ دے۔

شوکانی فرماتے ہیں: والحق وجوب ستر العورۃ فی جمیع الاوقات الا وقت قضاء الحاجۃ وافضاء الرجل الی اہلہ۔ اھ (نیل الاوطار ص۶۴ ج۲)

حد ستر میں اہل علم مختلف ہیں۔ جمہور ناف سے گھٹنے تک ڈھکنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بعض صرف ران ڈھانپنا واجب سمجھتے ہیں۔ امام احمد اور امام مالک سے ایک روایت میں آیا ہے: العورۃ القبل والدبر۔ (نیل الاوطار ص۶۴ ج۲) غرض ستر کی جو حد بھی اہل علم کے نزدیک ہے اگر اسے ننگا رکھا جائے تو نماز نہیں ہو گی۔ اعضاء ستر کو ویسے بھی ننگا رکھنا درست نہیں۔ نماز میں تو قطعاً حرام اور ناجائز ہو گا۔ سر چونکہ بالاتفاق اعضاء ستر میں نہیں اس لیے اگر کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز بالاتفاق جائز ہو گی اس کے لیے نہ بحث کی ضرورت ہے نہ احادیث کی ٹٹول کی ضرورت، جس طرح کوئی پنڈلی، پیٹ، پشت وغیرہ اعضاء ننگے ہوں تو نماز جائز ہے سر ننگے بھی درست ہے لیکن اسے عادت نہیں بنانا چاہیے۔

امام اگر نماز کے بعد پاؤں آسمان کی طرف کرے یا مقتدی کوئی ایسی حرکت کریں حدیث میں اس سے رکاوٹ ثابت نہیں ہو گی لیکن عقل مند ایسا کرنے سے پرہیز کرے گا۔ ننگے سر کی عادت بھی قریباً اسی نوعیت کی ہے۔ جواز کے باوجود ایسی عادات عقل و فہم کے خلاف ہیں۔ عقل مند اور متدین آدمی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

آنحضرت، صحابہ کرام اور اہل علم کا طریق وہی ہے جو اب تک مساجد میں متوارث اور معمول بہا ہے۔ کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گزری جس سے اس عادت کا جواز ثابت ہو خصوصاً باجماعت فرائض میں بلکہ عادت مبارک یہی تھی کہ پورے لباس سے نماز ادا فرماتے تھے۔

امام بخاری فرماتے ہیں: باب وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب وقول اللہ تعالیٰ:

خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ومن صلى ملتحفا فی ثوب واحد و یذکر عن سلمۃ بن الاکوع ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یزرہ ولو بشوکۃ۔ فی اسنادہ نظر۔ الخ۔ (صحیح بخاری مع فتح مطبوعہ مصر ص۳۱۸ ج۱) امام بخاری کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ زینت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اعضاء ستر ڈھانپنے کے علاوہ اچھے کپڑوں میں ادا کی جائے۔ عام ذہن کے لوگوں کو اس قسم کی احادیث سے غلطی لگی ہے کہ ایک کپڑے میں نماز ادا کی جائے تو سر ننگا رہے گا۔ حالانکہ ایک کپڑے کو اگر پوری طرح لپیٹا جائے تو سر ڈھکا جا سکتا ہے۔

اس مضمون کی احادیث اُمِّ ہانی، ابوہریرہ، جابر بن عبد اللہ، سلمہ بن اکوع، عمر بن ابی سلمہ طلق بن علی وغیرہ سے صحیح بخاری، سنن ابی داؤد وغیرہ دواوین سنّت میں موجود ہیں لیکن کسی میں سر ننگا رکھنے کا ذکر نہیں خصوصاً جس میں عادت اور کثرت عمل ثابت ہو، پھر احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صورت یا تو صرف اظہار جواز کے لیے ہے، یا کپڑوں کی کم یابی کی وجہ سے۔ ان حالات سے جواز یا اباحت تو ثابت ہو سکتی ہے سنّت یا استحباب ظاہر نہیں ہوتا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے: اولکلکم ثوبان۔ (ابوداؤد ص۲۱۸) طلق کی روایت میں ہے او کلکم یجد ثوبین۔ (ابوداؤد مع عون ص۲۴۲) کیا سب کو دو کپڑے میسر آ سکتے ہیں؟

حضرت عمرؓ کے اثر میں مزید تفصیل ملتی ہے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں قام رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسألہ عن الصلوٰۃ فی الثوب الواحد فقال اوکلکم یجد ثوبین۔ ثم سأل رجل عمر فقال اذا وسع اللہ فاوسعوا جمع رجل علیہ ثیابہ صلی رجل فی ازار ورداء فی ازار وقمیص فی ازار وقباء فی سراویل ورداء فی سراویل وقمیص فی سراویل وقباء فی تبان وقباء فی تبان و قمیص قال واحسبہ فی تبان ورداء۔ (صحیح بخاری ص۲۶۳) حضرت عمرؓ سے ایک آدمی نے ایک کپڑے میں نماز کے متعلق دریافت کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ وسعت

دے تو نماز میں بھی وسعت سے کام لینا چاہیے۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ نے حسب استطاعت
نماز میں لباس کی مختلف قسموں کا ذکر فرمایا۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد حکم ہو یا صرف خبر اس میں
کپڑوں کی قلت اور عدم استطاعت صراحتہً سمجھ میں آتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر پورے
کپڑے میسر ہو سکیں اور کوئی مانع نہ ہو تو تکلّف سے مسکنت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ ابن منیر
فرماتے ہیں: الصحیح انه کلام فی معنی الشرط کانه قال ان جمع رجل علیه
ثیابه فحسن۔ اھ۔ (فتح ص۳۲۲ ج۱) اگر ایک سے زائد کپڑے نماز میں استعمال کرے تو بہتر ہے
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وفی هذا الحدیث دلیل علی وجوب الصّلوٰة
فی الثیاب لما فیه من ان الاقتصار علی الثوب الواحد کان لضیق الحال
وفیه ان الصّلوٰة فی الثوبین افضل من الثوب الواحد وصرح القاضی عیاض
بنفی الخلاف فی ذالك۔ اھ۔ (فتح الباری ص۳۲۲ ج۱) اس حدیث سے ثابت ہوا ہے کہ مستطیع
کے لیے زیادہ کپڑوں میں نماز پڑھنا واجب ہے کیونکہ ایک کپڑے کی اجازت صرف ضیق کی
وجہ سے تھی اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نماز میں دو کپڑے استعمال کرنا افضل ہے غرض کسی حدیث
سے بھی بلا عذر ننگے سر نماز کو عادت اختیار کرنا ثابت نہیں محض بے علمی یا بدعملی یا کسی کی
وجہ سے یہ رواج پڑھ رہا ہے بلکہ جہلاء تو اسے سنّت سمجھنے لگے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

اسکی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ابن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
ذکر فرماتے ہیں۔ اذا صلی احدکم فلیاتزر ولیرتد۔ اھ (سنن الکبریٰ ص۲۳۵ ج۲) نافع فرماتے
ہیں عبداللہ بن عمرؓ مرفوعاً فرماتے ہیں: اذا صلّی احدکم فلیلبس ثوبیه فان الله
عز وجل احق ان یزین له ... الخ (سنن الکبریٰ) نافع فرماتے ہیں عبداللہ بن عمرؓ نے مرفوعاً
فرمایا نماز دو کپڑوں میں پڑھو۔ اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسب ہے۔
نافع فرماتے ہیں میں ایک دن اونٹوں کی گھاس کے سلسلہ میں نماز سے پیچھے رہ گیا،
عبداللہ بن عمرؓ آئے تو میں ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے
فرمایا کیا تمہارے پاس دو کپڑے نہیں؟ میں نے عرض کیا دو ہی موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا:
ارءیت لو بعثتك الی بعض اهل المدینة اکنت تذهب فی ثوب واحد؟ قلت
لا۔ قال والله احق ان یتجمل له؟ الخ۔ (بیہقی سنن ص۲۳٦ ج۱) اگر میں مدینہ میں کسی کے پاس

تمہیں بھیجتا تو تم ایک کپڑے میں جاتے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا اللہ کی بارگاہ میں
زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسب ہے۔ ان احادیث میں سر ڈھانپنے کی صراحت نہیں،
لیکن دو کپڑوں سے سر ڈھانپنے کا زیادہ امکان ہو جاتا ہے۔ کپڑا موجود ہو تو سر ننگے نماز
ادا کرنا یا ضد سے ہوگا یا قلتِ عقل سے۔ نیز یہ ثابت ہوتا ہے کہ اچھے کپڑوں کے ساتھ
تجمل سے نماز پڑھنا مستحب اور مسنون ہے۔ آیت خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ کے مضمون سے
بھی اسی سے وضاحت ہو جاتی ہے۔

ابوداؤد میں ایک اثر ہے جس سے شاید کوئی کم سواد آدمی استدلال کرے حدثنا
عبد الله بن محمد الزهری ثنا سفیان بن عیینة قال رأیت شریکاً صلّی بنا
فی جنازة العصر فوضع قلنسوته بین یدیه یعنی فی فریضة۔ (ابوداؤد ص۱۵٦ ج عون)
یعنی شریک نے فرضوں کی نماز بوقت عصر ٹوپی اتار کر پڑھی اور ٹوپی اپنے سامنے رکھی۔
اھ۔ اوّل تو یہ نہ مرفوع حدیث ہے نہ کسی صحابی کا اثر۔ دوم معلوم نہیں یہ شریک کون
بزرگ ہیں۔ شریک بن عبد اللہ نخعی تبع تابعی ہیں یا شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر تابعی۔
ان دونوں میں کم و بیش ضعف ہے لیکن یہ ان کا عمل ہے جو کسی طرح بھی قابلِ حجت
نہیں۔ سوم امام ابوداؤد نے اسے باب لحظ اذا لم یجد عصاً میں ذکر فرمایا ہے جس
سے ظاہر ہے کہ یہاں ضرورتاً سر ننگا رکھا گیا ہے کیونکہ جب انھیں سترہ کے لیے کوئی چیز
نہ ملی تو انھوں نے سُترہ کا کام ٹوپی سے لے لیا۔ ضرورت اور عذر سے سر ننگا رکھا جائے
تو اس میں بحث نہیں۔ بحث اس میں ہے کہ فیشن اور عادت کے طور پر نماز میں سر ننگا رکھنا
کہاں تک درست ہے؟ حافظ عینی نے شرح بخاری میں مختلف مذاہب کے ذکر میں
تفصیل سے کام لیا ہے۔ ان کی بحث کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ ایک کپڑے میں درست ہے
لیکن جب وسعت ہو کپڑے میسّر آسکیں تو پھر ایک پر اقتصار مستحسن نہیں حافظ ابن قدامہ
مقدسی فرماتے ہیں: الفصل الثانی فی فضیلة وهو ان یصلی فی ثوبین او اکثر فانه
اذا بلغ فی الستر یروی عن عمرؓ انه قال اذا وسع الله فاوسعوا۔ اھ (ص۶۲۱ ج۱ مغنی
ابن قدامہ مع الشرح یعنی فضیلت اس میں ہے کہ دو یا دو سے زیادہ کپڑوں میں نماز ادا
کرے کیونکہ اس میں ستر اور پردہ زیادہ ہے۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے جب اللہ تعالیٰ مال

میں وسعت فرمائیں، تو آدمی کو وسعت سے کام لینا چاہیے اس کے بعد تمیمی کا قول ذکر فرمایا ہے۔ الثوب الواحد یجزی والثوبان احسن والاربع اکمل قمیص و سراویل وعمامۃ وازارؒ۔ اھ (ابن قدامہ ص۶۲۱) ایک کپڑا جواز نماز کے لیے کافی ہے دو کپڑے بہتر ہیں چار ہوں تو نماز اور کامل ہو گی قمیص، پاجامہ، پگڑی اور ازار۔

ان تمام گزارشات سے مقصد یہ ہے کہ سر ننگا رکھنے کی عادت اور بلا وجہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں یہ عمل فیشن کے طور پر روز بروز بڑھ رہا ہے۔ یہ اور بھی نامناسب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پگڑی کے متعلق تحنیک کا رواج تھا، یعنی پگڑی کا ایک لپیٹ گردن کے نیچے سے باندھتے تھے آج کی عربی پگڑیاں اور ہماری پگڑیاں اس وقت کی پگڑیوں سے وضع میں مختلف ہیں ایسی پگڑی کا اتارنا اور بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ وللتفصیل وقت اخر۔

ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل و فراست سے متعلق ہے اگر اس جنسِ لطیف سے طبیعت محروم نہ ہو تو ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ ضرورت اور اضطرار کا باب اس سے الگ ہے۔

والسلام

(فتاوی علماء حدیث ص۲۸۶ تا ص۲۸۹ ج۴)

مولانا محمد داؤد غزنوی کا فتویٰ

یہی استفتاء مولانا سید داؤد غزنوی سے بھی کیا گیا تھا مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے جواب موصول ہونے کے بعد انھوں نے مختصر جواب جو لکھا ہے وہ بھی ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔ (فتاوی علمائے حدیث بحوالہ الاعتصام)

اقول وباللہ التوفیق: ننگے سر نماز پڑھنے کے متعلق میں نے طالب علمی کے زمانہ میں اپنے والد بزرگوار (حضرۃ الامام مولانا عبدالجبار الغزنوی نور اللہ مرقدہ) سے کہا تھا، انھوں نے اس کا مختصر مگر بڑا جامع جواب ارشاد فرمایا وہ عرض کیے دیتا ہوں۔ فرمایا کہ سر اعضاء ستر میں سے تو نہیں لیکن نماز میں سر ننگا رکھنے کے مسئلہ کو اس لحاظ سے نہیں بلکہ آداب نماز کے لحاظ سے دیکھنا چاہیے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مرد کے کندھے بھی اعضاء ستر میں سے نہیں لیکن صحیح بخاری میں ہے: لا یصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقہ شیئ یعنی ایک کپڑے میں کوئی نماز نہ پڑھے جب تک اس کے کندھے پر کوئی کپڑا نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ مؤطا اور فتح الباری دیکھ لو۔ مؤطا میں امام مالک فرماتے ہیں: قال مالک احب الی ان یجعل الذی یصلی فی القمیص الواحد علی عاتقیہ ثوبا او عمامۃ قال الزرقانی لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقہ شیئ "کہ میرے نزدیک پسندیدہ چیز یہ ہے کہ جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے وہ اپنے دونوں کندھوں پر کپڑا اڈال لے یا اپنے سر پر عمامہ باندھے اس کی شرح میں زرقانی فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کا یہ فتویٰ اس حدیث کی بنا پر ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے جب تک اس کے کندھے پر کپڑا نہ ہو"۔

موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پڑھنے پڑھانے والے امام مالکؒ کی اس اصطلاح سے واقف ہیں جب کسی مسئلہ کے متعلق وہ فرماتے ہیں "احب الیّ" (میرے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے) اس سے مراد وجوب ہوتا ہے جس کی تصریح حافظ ابن عبد البر اور دیگر شارحین مؤطا نے کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اس حدیث: لیس علی عاتقہ شئ؟ کے ذیل میں فرماتے ہیں: لیحصل الستر لجزءٍ من اعالی البدن وان کان لیس بعورۃ۔ یعنی کندھوں کو کپڑے سے ڈھانکنے کا حکم اس لیے آپؐ نے دیا تاکہ بدن کا اعلیٰ حصہ بھی نماز میں ڈھکا رہے اگرچہ وہ عورت یعنی اعضاء ستر میں سے نہیں ہے۔ زرقانی نے امام مالک کا ایک اور قول بھی نقل کیا ہے جو سائل کے سوال کے جواب کے لیے کافی واضح ہے۔ فرماتے ہیں: قال مالك فی المبسوط لیس من امر الناس ان یلبس الرجل الثوب الواحد فی الجماعت فکیف بالمسجد وقال تعالیٰ خُذُوا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ (ص $\frac{۲۴۸}{۱ج}$) "یعنی امام مالکؒ نے مبسوط میں فرمایا ہے کہ لوگوں کو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ ایک کپڑے میں نماز جماعت کے ساتھ پڑھیں، چہ جائیکہ ان کو مسجد میں اجازت دی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم ہر نماز کے وقت لباس پہنا کرو۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اختیارات میں فرماتے ہیں: واللہ تعالیٰ امر بقدر زائد علی ستر العورۃ فی الصلوٰۃ وھو اخذ الزینتہ فقال خُذُوا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ (ص۲۴) "یعنی اللہ تعالیٰ نے نماز کے لیے ستر عورۃ (اعضاء ستر کے ڈھانکنے) کے علاوہ ایک زائد حکم بھی دیا ہے اور وہ ہے اچھا لباس پہننا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے خُذُوا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔" اس کی مزید تاکید حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے صاحب مغنی نے حافظ عبد البر سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے نافع کو دیکھا کہ

ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ فرمایا تم دو کپڑے نہیں پہن سکتے ہو؟ نافع نے عرض کیا جی ہاں پہن سکتا ہوں۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تمہیں مجلس میں کسی کے پاس بھیجا جائے تو تم ایک کپڑے میں جاؤ گے؟ نافع نے عرض کیا۔ ایسا تو نہیں کروں گا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: فاللہ احق ان یزین لہ او الناس؟ قلت بل اللہ۔ (ص $\frac{۶۲۱}{۱ج}$) پس اللہ عزوجل اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اس کی حاضری کے لیے زینت کا لباس پہنا جائے یا لوگ اس کے مستحق ہیں؟ نافع نے عرض کیا نہیں حضور! اللہ ہی اسکے مستحق ہیں۔

ابتداء عہد اسلام کو چھوڑ کر جب کہ کپڑوں کی قلت تھی، اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایات نہیں گزری جس میں بصراحت یہ مذکور ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام نے مسجد میں اور وہ بھی نماز باجماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو۔ چہ جائیکہ معمول بنا لیا ہو۔ اس لیے اس بدرسم کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہیے اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر تعبداً یا خشوع و خضوع اور عاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبیہ ہوگا اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے، تعبداً یا خشوع و خضوع کی علامت نہیں اور اگر کسل اور سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا۔ وَلَا یَأْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اِلَّا وَھُمْ کُسَالٰی (نماز کو آتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر) غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔ فقط العبد المذنب الراجی لرحمۃ ربہ الودود سید محمد داؤد الغزنوی۔ ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ

(الاعتصام جلد ۱۱ ش ۱۸)

(فتاویٰ علماء حدیث جلد ۴ ص ۲۸۶ تا ص ۲۹۱)

نماز میں سر ڈھانپنے کا مسئلہ

"الاعتصام" مجریہ ۲۲ دسمبر ۱۹۸۹ء میں ننگے سر نماز ہو جانے کے متعلق ہمارے محترم دوست مولانا حافظ نعیم الحق نعیم حفظہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ شائع ہوا ہے۔

جہاں تک ننگے سر نماز ہو جانے کی حد تک بات ہے تو اس میں دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔

یہ کہنا کہ سر ڈھانپنے پر پسندیدہ ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس سے راقم الحروف کو اختلاف ہے۔

احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سر پر یا تو عمامہ باندھتے رہتے یا سر پر ٹوپیاں ہوتی تھیں اور راقم الحروف کے علم کی حد تک سوائے حج و عمرہ کوئی ایسی صحیح حدیث دیکھنے میں نہیں آئی جس میں یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ننگے سر گھومتے پھرتے تھے یا کبھی سر مبارک پر عمامہ وغیرہ تھا لیکن مسجد میں آکر عمامہ وغیرہ اُتار کر رکھ لیا اور ننگے سر نماز پڑھنی شروع کی کسی محترم دوست کی نظر میں ایسی کوئی حدیث ہو تو ہمیں ضرور مستفید کیا جائے۔

ذیل میں چند احادیث لکھتا ہوں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حضرت عمرو بن امیۃ الضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

رأیت النّبی صلّی اللہ علیہ وسلم یمسح علیٰ عمامتہ وخفیتہ۔

صحیح البخاری میں فتح الباری تحقیق شیخ ابن باز طبع لاہور پاکستان ج۱ ص۳۰۸

"میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اپنے عمامہ اور موزوں پر مسح کرتے تھے"

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور اسی عمامہ سے ہی نماز پڑھی ہوگی کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ عمامہ پر مسح کیا تو ہو لیکن جس پر مسح کیا اس کو اُتار کر نماز پڑھی ہو۔ یہ حدیث حضر و سفر دونوں کو شامل ہے۔

۲۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر سے پیشتر قضاء حاجت کے لیے نکلے قضاء حاجت کی پھر لوٹے۔ پھر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے پانی ڈالا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا پھر اس میں یہ الفاظ ہیں:

ثم مسح بناصیتہ وعلی العمامۃ .... الخ۔

المشکوٰۃ بتعلیق العلامۃ الالبانی۔ بحوالہ صحیح مسلم ج۱ ص۱۶۱

"پھر اپنی پیشانی مبارک اور عمامہ پر مسح کیا۔"

۳۔ حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

کأنی انظر الی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم وعلیہ عمامۃ سوداء قد ارخی طرفھا بین کتفیہ۔ (فتح الباری بحوالہ صحیح مسلم ج۱۰ ص۲۷۲)

"گویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں۔ ان کے سر پر کالی پگڑی تھی جس کا ایک ٹکڑا پیچھے دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑ دیا تھا۔"

۴۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم:

دخل یوم فتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء بغیر احرام۔

"فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اس حال میں کہ ان پر کالی پگڑی تھی بغیر احرام کے۔"

بعض علماء نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری کی اس حدیث سے معارض ہے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر مغفر (خود) تھا۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ پہلے پہلے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سر پر خود تھا پھر اس کو اتار لیا (جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے) اس کے بعد عمامہ پہن لیا۔ اس طرح ہر کسی نے جو دیکھا وہ بیان کر دیا اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

انه خطب الناس وعليه عمامة سوداء۔

"آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا اس حال میں کہ آپ کے سر مبارک پر کالا عمامہ تھا"

اور یہ خطبہ کعبہ کے دروازہ کے نزدیک ہوا تھا اور یہ دخول کے تمام ہونے کے بعد ہوا بعض نے ان دونوں روایتوں کو اس طرح بھی جمع کیا ہے کہ یہ کالا عمامہ کے اوپر یا خود کے نیچے بندھا ہوا تھا تاکہ خود کے لوہے سے سر مبارک کو محفوظ رکھیں۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۶۱-۶۲)

۵۔۔۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

كان رسول الله صلّى الله عليه وآله وسلم اذا اعتمّ سدل عمامته بين كتفيه۔ المشكوٰة بحواله ترمذی۔

اور ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۷۵)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب بھی عمامہ باندھتے تو پیچھے دونوں کندھوں کے درمیان اس کا ٹکڑا چھوڑ دیتے"

۶۔۔۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

عمّمني رسول الله صلّى الله عليه وسلّم فسدلها بين يدي ومن خلفي۔ (المشکوٰۃ بحوالہ ابی داؤد ج ۲ ص ۳۷۵)

ترجمہ: "آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پگڑی باندھی اور میرے سامنے اور میرے پیچھے اس کا تھوڑا سا ٹکڑا چھوڑ دیا"

۷۔۔۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول الشهداء اربعة رجل مؤمن جيد الايمان اتى العدو فصدق الله حتى قتل فذلك الذي يرفع الناس اعينهم اليه يوم القيمة هكذا ورفع رأسه حتى وقعت قلنسوة فلا ادري قلنسوة عمر اراد ام قلنسوة النبي صلّى الله عليه وآله وسلم۔ الحديث۔

یہ روایت جامع ترمذی میں ہے اور امام ترمذیؒ نے اسکی تحسین کی ہے۔

ترجمہ: "میں نے رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ شہدا چار ہیں ایک ان میں سے وہ آدمی ہے جو عمدہ ایمان والا مومن ہے وہ دشمن کی طرف آیا تو اس نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ (کے اجر و ثواب) کی تصدیق کی (لڑتا رہا) حتیٰ کہ وہ قتل ہو گیا تو یہ وہ شخص ہے جس کی طرف سے لوگ اپنی آنکھیں اٹھائیں گے قیامت کے دن اس طرح اور اپنا سر اٹھایا حتیٰ کہ ٹوپی گر گئی۔ (راوی کہتا ہے) مجھے معلوم نہیں اس ٹوپی سے مراد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی کا ارادہ کیا یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ٹوپی کا"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس وقت ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔

٨ ـــ ابو الشیخ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ:

انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یلبس فی السفر ذوات الاذان وفی الحضر المضمر یعنی الشامیۃ۔

لوامع العقول میں لکھا ہے:

قال العراقی وھو اجود الاسناد فی القلانس۔

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سفر میں کانوں والی ٹوپیاں پہنتے تھے اور حضر میں مضمر یعنی شامی ٹوپیاں پہنتے تھے۔

علامہ عراقی فرماتے ہیں:

ٹوپیوں کے بارے میں یہ حدیث بہت عمدہ اسناد والی ہے۔

٩ ـــ مصنف ابن ابی شیبہ میں اور مصنف عبدالرزاق میں اسکے مانند امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ:

ان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانوا یسجدون وایدیھم فی ثیابھم ویسجد الرجل منھم علیٰ قلنسوتہ وعمامتہ۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں سجدہ کرتے اس حال میں کہ ان کے ہاتھ کپڑوں میں ہوتے اور ان میں سے کوئی آدمی اپنی ٹوپی اور پگڑی پر سجدہ کرتا تھا۔"

اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز میں ٹوپیاں یا پگڑیاں پہنے ہوتے تھے۔

١٠ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح کے کتاب اللباس میں باب البرانس کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث لائے ہیں:

ان رجلا قال یا رسول اللہ ما یلبس المحرم من الثیاب؟ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، لا تلبسوا القمص ولا العمائم ولا السراویلات ولا البرانس ولا الخفاف الحدیث۔ (فتح الباری ج ١٠ ص ٢٧١-٢٧٢)

ترجمہ: "ایک آدمی نے پوچھا اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، احرام والا کون سے کپڑے پہن سکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا نہ قمیصیں پہنے اور نہ پگڑیاں اور نہ شلواریں اور نہ برانس اور نہ ہی موزے۔"

برانس، برنس کی جمع ہے یہ ایک قسم کی ٹوپی ہے پھر آگے ص ٢٧٣ ج ١٠ پر باب العمائم منعقد فرما کر اس کے تحت بھی یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی لائے ہیں۔

اس صحیح حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں لوگ ٹوپیاں اور عمامے اکثر و بیشتر پہنے رہتے تھے۔ ورنہ اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ اکثر و بیشتر چلتے پھرتے یا نماز ادا کرتے ہوئے ننگے سر رہنا ہی ان کا عمل ہوتا تو خاص طور پر ان چیزوں کی ممانعت (احرام کی حالت میں) بیان نہ کی جاتی۔ جیسا کہ عورتیں اجانب (غیروں) کے سامنے نقاب اوڑھے ہی رہتی ہیں اس لیے احرام کی حالت میں ان کو امر ہوا کہ وہ منہ پر نقاب نہ ڈالیں الا یہ کہ کوئی اجنبی سامنے آگیا تو چادر کا پلو منہ پر ڈال لیا اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ محدثین نے جو کتاب اللباس وغیرہ ذکر کر کے اسکے تحت

یہ احادیث لائے ہیں تو اس سے مقصد ان باتوں میں اقتدار و اتباع تھا، ورنہ ان باتوں کے ذکر سے کیا فائدہ، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ - الآیۃ (پ۲۱، احزاب، ع۳)

"تمہارے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ میں بہترین نمونہ ہے"

اور یہ ارشاد عبادات وغیرہا سب کو شامل ہے۔

ہو سکتا ہے ہمارے محترم مولانا نعیم الحق نعیم صاحب طعام و شراب اور لباس کے متعلق یہ رائے رکھتے ہوں کہ ان میں سے جن اشیاء یا اُمور کے متعلق کوئی امر یا رغبت دلانے والا صیغہ وارد نہیں ہوا وہ مندوب و مستحب نہیں۔

لیکن راقم الحروف ان سے اتفاق نہیں کر سکتا اس لیے کہ اگر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسندیدہ معمول نہ ہوتا تو جس طرح سر پر عمامہ یا ٹوپی کا ثبوت مل رہا ہے اسی طرح ننگے سر چلتے پھرتے رہنے یا ننگے سر نماز پڑھنے کے متعلق بھی روایات ضرور مل جاتیں لیکن اس قسم کی ایک روایت بھی میرے علم میں نہیں آئی۔ جب یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پسندیدہ معمول ہوا تو یہ عمل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو پسند ہوگا لہٰذا استحباب یا مذہبیت کا انکار مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تو یہ حال تھا کہ لباس و طعام میں سے جو چیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پسند ہوتی وہی پسند کرتے تھے۔ صحیح البخاری کتاب اللباس میں "باب النعال السبتیۃ وغیرھا" کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عبید بن جبیرؓ سے روایت لائے ہیں کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: چار باتیں ایسی ہیں کہ میں تم ہی کو وہ کرتے دیکھتا ہوں، تمہارے دوسرے اصحاب ان پر عمل نہیں کرتے۔ ان میں سے ایک چیز یہ ذکر کی کہ تم سبتیۃ نعال

(بغیر بالوں کی جوتیاں) ہی پہنتے ہو۔ تو انھوں نے یہ جواب دیا:

"اما النعال السبتیۃ فانی رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یلبس النعال التی لیس فیھا شعر ویتوضاء فیھا فانا احب ان البسھا" (فتح الباری ص۳۰۸/۱۰)

"نعال، جوتی سبتیۃ کے بارے میں تو نے پوچھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ جوتیاں وہی پہنتے تھے جن میں بال نہ ہوتے اور ان ہی میں وضو بھی کرتے۔ لہٰذا میں بھی پسند کرتا ہوں کہ ایسی جوتیاں پہنا کروں"

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سنّت کے اتباع میں جو مقام ہے وہ کسی اہلِ علم سے مخفی نہیں۔

اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح کے کتاب الاطعمۃ میں "باب الدباء" کے تحت حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث لائے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی مولی لہ خیاطا فاتی بدباء فجعل یاکلہ فلم ازل احبہ منذ رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (فتح الباری ص۵۵۹/۹)

"بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ایک غلام جو کپڑا سینے والا تھا، کے پاس آئے پھر وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کدو لے آیا۔ پھر آپؐ اس کو کھانے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کدو کھاتے دیکھا، تب سے میں اسے پسند کر رہا ہوں"

کیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مرغوب اشیاء کو پسند کرنا باعثِ اجر وثواب نہ تھا؟

اگر تھا تو یہی ندب واستحباب کی علامت ہے اس لیے سر ڈھانپ کر چلتے پھرتے یا نماز وغیرہ پڑھنے کو پسندیدہ قرار نہ دینا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہم نے بڑے بڑے علماء و فضلاء کو دیکھا کہ وہ اکثر وبیشتر سر ڈھانپ کر چلتے پھرتے اور نماز پڑھتے۔ یہ آج کل جو نئی نسل خصوصًا اہل حدیث جماعت کے افراد نے یہ معمول بنا رکھا ہے۔ اسے چلتے ہوئے فیشن کا اتباع تو کہا جا سکتا ہے مسنون نہیں۔ یا کسی چیز کے جائز ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مندوبات و مستحبات کو بالکل ترک کر دیا جائے؟

جواز کے اظہار کے لیے کبھی کبھی اتفاقاً بھی ننگے سر رہنے پر عمل کیا جا سکتا ہے لیکن آج کل کے معمول سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ کتبِ احادیث میں جو جو مندوبات و مستحبات، سنن ونوافل کے ابواب موجود ہیں یہ سراسر فضول ہیں اور ہمیں صرف جواز اور رخص پر ہی عمل کرنا ہے یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ ہمارے محترم مولانا نعیم الحق نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ ہمارے بعض پُرجوش اہلِ حدیث کی طرف سے بعض "متشدد" حنفیوں کی باتوں کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنے کے جواز کا اس طرح جواب دیا جاتا رہا ہے لیکن یہ بات افہام وتفہیم سے ہی ہو سکتی ہے۔ انھیں معقول دلائل پیش کیے جائیں پھر بھی وہ اسی پر جمے رہیں اور حق کی طرف نہیں آتے تو ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ ان کے لیے ہم مستحبات کا خاتمہ ہی کر دیں اور ننگے سر نماز پڑھنے کو دائمی معمول بنالیں۔ پھر اگر یہی مقصود تھا تو گھر سے ہی ننگے سر آتے اور نماز پڑھ لیتے۔ لیکن یہ عجیب طرفہ تماشا ہے کہ گھر سے تو سر پر ٹوپی وغیرہ رکھ کر آتے ہیں لیکن مسجد میں داخل ہو کر سر سے ٹوپی وغیرہ اُتار کر ایک طرف رکھ

دیتے ہیں اور نماز شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے مولانا نعیم الحق کی تحریر کے مطابق ننگے سر نماز پڑھنے کا جواز تو ضرور معلوم ہو جاتا ہے لیکن اس سے جو بڑی غلط فہمی عوام میں پھیل جاتی ہے اور واقعۃً پھیل رہی ہے اس کی جانب بھی توجہ کو مبذول فرمایا جاتا۔ یعنی اب عوام میں یہ غلط فہمی پھیلتی جاتی ہے کہ گھر سے تو ٹوپی وغیرہ سر پر رکھ کر آنا چاہیے لیکن مسجد میں آکر اس کو اتار دینا چاہیے اور ننگے سر ہی نماز پڑھنی چاہیے کیونکہ یہی سنت الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اس لیے کہ اہل حدیث جماعت کے بہت سے افراد کا اس پر عمل ہے۔ اب آپ ہی سوچیں کہ یہ کتنی بڑی غلطی ہے؟ اور یہ محض ہم اہل حدیثوں کے طرزِ عمل سے ہی پیدا ہو رہی ہے حالانکہ صحیح تو کجا مجھے تو ایسی ضعیف حدیث بھی نہیں ملی جس میں یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم گھر سے تو اس حال میں نکلے کہ سر پر عمامہ وغیرہ تھا لیکن مسجد میں آتے ہی اس کو اُتار لیا اور ننگے سر نماز پڑھی۔ پھر اس طرح اس کو دائمی ومتمرہ معمولات میں سے بنانے کی وجہ سے لوگوں کو کیا یہ خیال نہ گزرتا ہوگا کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی سنّت ہے تو اس غلط فہمی کے دُور کرنے کے لیے بھی کیا یہ اہم ولپسندیدہ بات نہیں کہ اکثر وبیشتر سر کو ڈھانپ دیا جائے خواہ نماز میں خواہ اس سے باہر تاکہ یہ غلطی رفع ہو جائے۔

بعض حضرات اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں یہ وارد ہے کہ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی ور اس میں ٹوپی وغیرہ بھی داخل ہے بغیر سر ڈھانپے نماز پڑھی۔

اوّلاً تو یہ اس وقت کی بات ہے جب کپڑوں کی تنگی تھی اور اتنی فراوانی نہ ہوئی تھی جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک کپڑے میں نماز پڑھنے پر اعتراض کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک

ہیں ہم میں سے ہر ایک کے پاس دو تین کپڑے تو نہ تھے۔ اس طرح صحیح حدیث مرفوع میں بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا تو فرمایا کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں ؟ اس سے جو بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔

ثانیًا میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے جواز کے ثبوت سے اس کا نزلہ یہ حضرات صرف اس بیچاری ٹوپی وغیرہ پر ہی کیوں گرانے پر مُصر ہیں۔ اگر ننگے سر نماز پڑھنے کے مسنون ہونے کا مدار آپ حضرات ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی حدیث پر ہی رکھتے ہیں تو بسم اللہ آپ گھر سے ہی ایک کپڑے کے سوائے سب کپڑے اُتار کر پھر مسجد میں آیا کریں اور اس طرح نماز بھی پڑھ لیں۔ یہ اچھی ستم ظریفی ہے کہ گھر سے تو قمیص شلوار کوٹ وغیرہ پہن کر آتے ہیں اور مسجد میں دخول کے بعد صرف پگڑی یا ٹوپی اُتار کر نماز پڑھنی شروع کردی۔ یاللعجب۔

کیا آپ حضرات کے نزدیک اس کا معنیٰ و مطلب یہ ہے کہ اور تو سب کپڑے پہنے ہونے چاہئیں۔ صرف ٹوپی وغیرہ کو اتار دیا جائے۔ لیکن یہ مطلب سراسر غلط ہے شاید کچھ لوگ کہنے لگیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہے کہ مسجد میں زینت پکڑو۔ یعنی لباس پہنو اور جب آج کپڑوں کی فراوانی ہے تو ہم یہ سارا لباس زیب تن کرتے ہیں لیکن ان لوگوں کی خدمت میں باادب عرض ہے کہ اگر دوسرے کپڑے زینت میں داخل ہیں تو ٹوپی وغیرہ کو آپ کس دلیل سے اس زمرہ میں سے نکال باہر کر رہے ہیں۔ اُوپر صفحات میں ہم ثابت کر آئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اکثر و بیشتر معمول سر کو ڈھانپنا تھا لہٰذا ٹوپی وغیرہ سے سر ڈھانپنے کے زینت ہونے پر ہیں اور کیا مضبوط ثبوت پیش

کر سکتا ہوں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پسندیدہ معمول اعلیٰ درجہ کی زینت بھی ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاں پسندیدہ بھی۔

بہرحال ان وجوہات کی بناء پر مجھے تو سر ڈھانپنا ہر حال میں بہتر و اولیٰ اور مستحب و مندوب نظر آتا ہے۔ اگر کسی اہلِ علم نے اس پر تعاقب فرما کر میری اس کاوش کو غیر صحیح ثابت کر دیا اور بات سمجھ میں آگئی تو انشاء اللہ تعالیٰ رجوع بھی کروں گا۔

الحق یعلو لا یعلی علیہ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل فالحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصّلحات وصلی اللہ علی سیّدنا محمّد رحمۃ للعالمین ونبی الرحمۃ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی کا خط

اکتوبر ۱۹۹۳ء کے "الرشید" میں آپ نے ہفت روزہ "الاعتصام" کے حوالے سے ممتاز و مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا سیّد محب اللہ راشدی کا ایک خصوصی مضمون شائع کیا ہے جس کا عنوان ہے "نماز میں سر ڈھانپنے کا مسئلہ" اس میں فاضل مضمون نگار نے "الاعتصام" میں شائع شدہ ایک مضمون پر تعاقب فرمایا ہے۔ سیّد محب اللہ صاحب نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ نماز میں سر ڈھانپنا چاہیے۔ کسی حدیث میں اس قسم کے الفاظ نہیں ہیں کہ نماز پڑھنے سے پہلے عمامہ یا ٹوپی سر سے اُتار دو اور سر ننگا کر کے نماز پڑھو.... بلاشبہ یہ بہت اچھا مضمون ہے میں نے دو دفعہ پڑھا۔ حالانکہ اس سے قبل "الاعتصام" میں بھی پڑھ چکا تھا۔ اس ضمن میں چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میری گزارشات کا تعلق نفسِ مسئلے سے نہیں ہے، اس کی وضاحت تو محب اللہ صاحب نے کر دی ہے میں صرف یہ عرض کروں گا کہ اس سلسلے میں مشاہیر علمائے اہلِ حدیث کا نقطہ نظر کیا ہے.... اگر آپ مناسب سمجھیں تو "الرشید" میں شائع فرما دیں۔

مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی ننگے سر نماز پڑھنے کے سخت مخالف تھے بعض

لوگ گرمیوں میں محض بنیان پہن کر نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کی بھی وہ شدید مخالفت کرتے تھے۔ عام طور پر اہلِ حدیث حضرات نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا نہیں مانگتے اس سے بھی مولانا اختلاف کرتے تھے وہ ہر نماز کے بعد قبلہ رُخ بیٹھے ہوئے لمبا وظیفہ پڑھتے تھے اور پھر ہاتھ اُٹھا کر خشوع و خضوع سے دُعا مانگتے تھے۔

دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے وہ مہتمم تھے اور وہیں باجماعت نماز ادا فرماتے تھے۔ جماعت وہ خود نہیں کراتے تھے، دارالعلوم کے کسی مدرس کو امام مقرر کر لیتے تھے طلباء کو باقاعدہ ہدایت تھی کہ باجماعت نماز پڑھیں، نماز میں سر ننگا نہ رکھیں اور نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگیں۔

ایک دن مولانا نے چینیاں والی مسجد میں عصر کی نماز پڑھی، نماز کے بعد دُعا مانگ کر بیٹھے تھے کہ ان کے ایک عقیدت مند اہلِ حدیث جو اسی محلّے میں رہتے تھے، نماز پڑھنے کے لیے آئے ان کا نام ملک محمد رفیق تھا انھوں نے ننگے سر نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو مولانا نے ان سے فرمایا:

"ملک صاحب! اگر آپ اجازت دیں تو ایک بات عرض کروں۔"

لفظ "عرض" اور "اجازت" سُن کر وہ پریشان ہوئے اور بولے:

"حضرت فرمایئے! کیا ارشاد ہے۔"

فرمایا: "ننگے سر نماز نہ پڑھا کریں۔"

اس سلسلے کا ایک لطیفہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب (گوجرانوالہ) کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے علم و فضل سے نوازا تھا۔ تحریر و تقریر کا انھیں خاص ملکہ حاصل تھا۔ یہ فقیر ۱۹۴۱ء اور ۱۹۴۲ء میں دو سال مولانا ممدوح کے حلقہ درس میں شامل رہا۔ پھر "الاعتصام" کے اجراء کے بعد فروری ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۲ء

کے آخر تک ان کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا۔ وہ کثیر العلم اور وسیع المطالعہ بزرگ تھے۔ میں انشاء اللہ ان کے متعلق ایک مستقل مضمون لکھوں گا۔ بہت لوگوں کے بارے میں لکھا اور بہت لوگوں کے بارے میں لکھنے کو جی چاہتا ہے استاذِ مکرم مولانا اسماعیل صاحب مرحوم و مغفور بھی اسی فہرست میں شامل ہیں جنکے متعلق اپنے انداز سے کچھ گزارشات پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

یہاں ننگے سر نماز پڑھنے کے متعلق مولانا ممدوح کا ایک لطیفہ بیان کرنا چاہتا ہوں، جو واقعہ بھی ہے ایک دن ایک اہلِ حدیث مولوی صاحب انکی مسجد میں تشریف لائے جو بڑے جھگڑالو تھے اور بات بات پر بحث و جدل پر اُتر آتے تھے انھوں نے گلّے پر پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ پگڑی سر سے اتاری اور نماز پڑھنا شروع کر دی وہ نماز پڑھ چکے تو مولانا نے فرمایا "یہ آپ نے کیا حرکت کی پگڑی اتار کر نماز پڑھنا کہاں کا مسئلہ ہے؟"۔ مولوی صاحب نے جواب دیا "میں نے ٹھیک کیا ہے، میرے ساتھ اس مسئلے پر بحث کر لیں"۔ مولانا نے فرمایا "مجھے آپکے ساتھ بحث کی ضرورت نہیں۔ میں نے تو ایک شریفانہ بات کی تھی کہ پگڑی اُتار کر نماز پڑھنا مناسب نہیں"۔ (گفتگو پنجابی میں ہو رہی تھی)، اگلی بات جو مولانا اسمٰعیل صاحب نے فرمائی میں وہ پنجابی میں ہی بیان کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا "ایہ تاں اِک پگ دی گل سی، میرے ولّوں لک دی وی لاہ لے"۔

مولانا حافظ عنایت اللہ اثری گجراتی معروف اہلِ حدیث عالم تھے عربی اور اردو میں انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ سیاسی اعتبار سے اکابر علمائے اہلِ حدیث کی طرح نیشنلسٹ تھے اور انگریزی حکومت کے سخت مخالف۔ طویل عرصے تک چمرقند کی جماعت مجاہدین کے مرکز میں

رہے اور کئی سال جیلوں میں گزارے۔ انگریزوں نے ان پر اتنی سختی کی تھی کہ ان کے مردانہ اعضا بالکل بے کار کر دیے گئے تھے اور ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ لیکن وہ بڑے خوش مزاج اور نہایت صابر و شاکر تھے مولانا محمد اسمٰعیل مرحوم کے وہ گہرے دوست تھے اور ان کی ملاقات کے لیے اکثر گوجرانوالہ آیا کرتے تھے۔ میں نے ان کو پہلی مرتبہ ۱۹۵۰ء کے آخر میں دیکھا تھا، اور ان کی باتیں سنی تھیں۔

ایک دفعہ وہ گوجرانوالے تشریف لائے مولانا اسمٰعیل صاحب اور مولانا محمد حنیف ندوی صاحب سے "الاعتصام" کے دفتر میں ملے میں بھی حاضر تھا۔ یہ غالباً ۱۹۵۲ء کے جنوری یا فروری کی بات ہے، اس وقت "الاعتصام" گوجرانوالے سے ہی نکلتا تھا لاہور منتقل نہیں ہوا تھا۔ ایک صاحب وہاں آئے جو حافظ عنایت اللہ اثری مرحوم کے جاننے والے تھے انھوں نے حافظ صاحب سے سوال کیا کہ "ننگے سر نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟"

حافظ صاحب نے جواب دیا "نماز ہو تو جاتی ہے، لیکن اس سے بچنا چاہیے، پگڑی یا ٹوپی پہن کر نماز پڑھنی چاہیے"۔

سائل نے پوچھا "یہ کہاں لکھا ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنے سے بچنا چاہیے؟"

حافظ صاحب نے اس سوال کا نہایت عمدہ جواب دیا، فرمایا "جہاں جی چاہے لکھ لو، بات وہی ہے جو میں نے بتا دی"۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اکابر مشاہیر علمائے اہل حدیث ننگے سر نماز پڑھنے کو معیوب قرار دیتے تھے اور نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر اللہ کے حضور عجز و عاجزی سے دعا مانگا کرتے تھے۔ لیکن نئے دور کے اہلِ حدیث علما

ننگے سر نماز پڑھنے کے حق میں دلائل فراہم کرتے ہیں اور نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر اللہ سے کچھ مانگنے کو حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قرار دیتے ہیں۔

اہلِ حدیث حضرات میں ایک عجیب وغریب بات یہ دیکھنے میں آئی ہے کہ نماز شروع کرتے ہی ان کے جسم پر کھجلی ہونے لگتی ہے۔ ادھر نماز کی نیت باندھی اور ادھر کھجلانا شروع کر دیا، کبھی سر میں ہاتھ پھیرا، کبھی داڑھی میں، کبھی بغلوں میں، کبھی کان میں، کبھی ناک میں، کبھی کہیں "یہ کثرک فی الصّلوٰۃ" کا مسئلہ معلوم نہیں ان کو حدیث کی کس کتاب سے ملا ہے؟

نمازیں جمع کرنے کے بھی اہلِ حدیث حضرات بہت شائق ہیں۔ انکی کسی میٹنگ میں جا کر دیکھیے، ظہر کی نماز پڑھی اور ساتھ ہی عصر لپیٹ دی۔

بہر حال مولانا سیّد محب اللہ شاہ راشدی کو اللہ تعالیٰ خوش رکھے، وہ بہت بڑے عالم ہیں اور ان کے معلومات کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ نماز میں سر ڈھانپنے کے متعلق انھوں نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ لائق مطالعہ ہے اس پر عمل کرنا چاہیے۔ آپ نے یہ مضمون چھاپ کر اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں کے علم میں لانے کی مخلصانہ کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جرابوں پر مسح کرنا

موجودہ دور کے غیر مقلدین کا عمل اور فتویٰ یہ ہے کہ ہر قسم کی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ حالانکہ یہ بات نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی صحیح، صریح مرفوع حدیث سے۔ بلکہ خود مولانا سید نذیر حسین دہلوی غیر مقلد کا فتویٰ بھی موجودہ غیر مقلدین کے خلاف ہے۔ ہم یہاں پر فتاویٰ نذیریہ سے وہ فتویٰ نقل کرتے ہیں۔ یہ فتویٰ اصل عربی زبان میں ہے اور فتوی کے نیچے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہوا ہے یہاں پر صرف اردو ترجمہ پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اونی یا سوتی جرابوں پر مسح جائز ہے یا نہیں؟ یہ تو معلوم ہے کہ جرابوں پر مسح کرنے کی حدیث ضعیف ہے اور امام ترمذی نے جو اس کو صحیح کہا ہے محدثین نے اسے قبول نہیں کیا اور اگر موزوں کے مسح پر اس کو علتِ مشترکہ کی بنا پر قیاس کیا جائے تو اس سے فرضِ غسل جو قرآن سے ثابت ہے ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟ اور ائمہ نے جو جراب کے لیے موٹا ہونے اور پانی کے نفوذ نہ کرنے کی قید لگائی ہے، تو کیا اس سے زیادہ کسی اور علت کا بھی اضافہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ پاؤں کا دھونا فرض ہے اور موزے پر مسح رخصت ہے۔ کیا رخصتِ شرعیہ شارع کے بیان پر موقوف ہے یا نہیں؟ جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

الجواب: مذکورہ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے اور مجوزین نے جن چیزوں سے استدلال کیا ہے اس میں خدشات ہیں۔ استدلال تین چیزوں سے کیا گیا ہے۔ حدیث مرفوع، فعلِ صحابہؓ اور قیاس۔

حدیث مرفوع تو وہ ہے جس کو ترمذی نے مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جراب اور جوتے پر مسح کیا۔ ترمذی نے اس
حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ اس پر اعتراض یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس سے
استدلال صحیح نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی یہ حدیث روایت نہیں کیا کرتے تھے
کیونکہ مغیرہ سے مشہور روایت موزے پر مسح کرنے کی ہے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے
بھی جراب پر مسح کرنے کی روایت نقل کی ہے لیکن اس کی سند متصل نہیں۔ امام مسلمؒ
نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ مغیرہ بن شعبہ سے جتنے لوگوں نے اس حدیث
کو روایت کیا ہے انھوں نے موزے پر مسح بیان کیا ہے۔ صرف قیس اودی اور
ہذیل بن شرحبیل نے جراب کا لفظ بیان کیا ہے لیکن یہ دوسرے راویوں کا مقابلہ
نہیں کرسکتے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی نے سفیان ثوری سے کہا کہ اگر آپ مجھے ابوقیس
عن ہذیل کی حدیث سنائیں تو میں اس کو آپ سے قبول نہیں کروں گا۔ سفیان نے
نے کہا وہ حدیث واقعی ضعیف ہے۔ علی بن مدینیؒ نے کہا حضرت مغیرہؓ کی حدیث کو
مدینہ، کوفہ اور بصرہ والوں نے روایت کیا ہے، سب موزہ کا ذکر کرتے ہیں صرف
ابوقیس جراب کا تذکرہ کرتے ہیں۔ بیہقی نے کہا یہ حدیث منکر ہے اس کو سفیان ثوری
اور عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد بن حنبل، یحیی بن معین، علی بن مدینی، امام مسلمؒ نے ضعیف
کہا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ابن دقیق العید نے اس کی تصحیح پر اعتماد کیا ہے اور
کہا ہے کہ ابوقیس کی روایت دوسروں کے مخالف نہیں ہے کیونکہ وہ تو ایک
امر زائد بیان کر رہے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس روایت کے یہ الفاظ ہوتے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم موزوں پر اور جرابوں اور جوتی پر مسح کیا تو ایک امر زائد تھا۔ لیکن اس نے

تو موزے کے بجائے جراب اور جوتی کا ذکر کیا ہے تو یہ امر زائد نہیں ہے بلکہ
ثقات کی مخالفت ہے۔ باقی رہا ترمذی کا اس کو حسن صحیح کہنا تو امام نوویؒ نے
کہا کہ جن لوگوں نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے ان میں سے ہر ایک امام ترمذیؒ
سے مقدم ہے اور پھر یہ اصول بھی ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ لفظ جراب مختلف المفہوم ہے۔ موزے کے اوپر جو لفافہ پہنا
جاتا ہے اس کو جرموق کہتے ہیں اور جرموق پر جو پہنا جاتا ہے اس کو جراب کہتے ہیں
تو ممکن ہے جراب سے چمڑے کا وہ لفافہ مراد ہو جو جرموق پر پہنا جاتا ہے، تو
میں کہتا ہوں کہ یہ دلیل تو ہماری ہوگی نہ کہ تمھاری اور پھر یہ بھی خیال کرنا چاہیے
کہ جراب پر مسح کرنے والوں کا مقصد تو یہ ہے کہ صرف جراب پر مسح کرنا جائز ہے
حالانکہ اس حدیث میں جراب اور جوتی پر مسح کا ذکر ہے یعنی جراب کے اوپر جوتی
پہنے ہوئے آپؐ نے مسح کیا، صرف جراب پر مسح نہیں کیا۔

یہاں ایک اور خدشہ بھی ہے کہ جراب سُوتی بھی ہوتی ہے اور اُونی بھی،
موٹی بھی اور باریک بھی، اور وہ بھی جس کے نیچے چمڑا لگا ہوتا ہے تو جب تک کسی
خاص لفظ سے پتہ نہ چلے کہ وہ جراب جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح کیا وہ
چمڑے والی نہ تھی تب تک مقصود مجوزین ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ چمڑے والی جراب
تو موزہ ہی کے حکم میں ہے اگر کہا جائے کہ دوسری جراب کا بھی احتمال تو ہے تو میں
کہتا ہوں کہ اس میں جب صراحت نہیں ہے تو نفس مطمئن نہیں ہو سکتا اور حضورؐ نے
فرمایا ہے؟ "شک والی چیز کو ترک کردو۔"

باقی رہا صحابہ کرامؓ کا عمل تو ان سے مسح جراب ثابت ہے اور تیرہ صحابہ کرامؓ کے
نام صراحۃً سے معلوم ہیں کہ وہ جراب پر مسح کیا کرتے تھے یعنی حضرت علیؓ، عمارؓ،
ابو مسعود انصاریؓ، انسؓ، ابن عمرؓ، براء بن عازب، حضرت بلالؓ، عبداللہ بن

ابی اوفیؓ، سہل بن سعدؓ، ابوامامہؓ، عمرو بن حریثؓ، عمرو بن عباسؓ اگر حدیث مرفوع کے بجائے انکے عمل سے استدلال کیا جائے تو یہ اس سے بہتر ہے لیکن ان کے عمل میں ایک اور شبہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ یہ فعل ایک ایسا کام ہے جس میں اجتہاد کو دخل ہے اور جس میں اجتہاد کو دخل ہو صحابی کا وہ فعل مرفوع حکمی نہیں کہلا سکتا۔

باقی رہا قیاس کا مسئلہ کہ جب موزہ پر مسح جائز ہے تو قیاساً جراب پر بھی جائز ہونا چاہیے کیونکہ ان دونوں میں کوئی فرق مؤثر نہیں ہے۔ اس پر شبہ یہ ہے کہ اگر مسح موزہ کی کوئی علت منصوص ہوتی۔ تو اس علت کی بناء پر جراب کے مسح کو اس پر قیاس کر لیا جاتا لیکن یہاں کوئی علت منصوص نہیں ہے ممکن ہے ہم کوئی اور علت سمجھیں اور حقیقت میں کوئی اور ہو۔ اگر سوال کیا جائے کہ صحابہؓ کی شان اس سے ارفع واعلیٰ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں تو آخر کسی دلیل کی بناء پر ہی صحابہؓ نے جراب پر مسح کیا ہوگا، اگرچہ وہ ہم کو معلوم نہیں تو ہم بھی اسی وجہ سے مسح کر لیں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر صحابہؓ سے کوئی نقلی دلیل ہے تو وہ کہاں ہے کیسی ہے؟ جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو جائے ہم قرآن اور متواتر حدیث کے مضمون کو کیوں چھوڑیں اور اگر صحابہؓ کے فعل سے استدلال کیا جائے تو اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے کہ اس میں اجتہاد کو دخل ہے اور پھر یہ بھی تو معلوم نہیں کہ صحابہؓ کون سی جراب پر مسح کیا کرتے تھے؟ جب تک ان تمام باتوں کی وضاحت نہ ہو جائے ہم کتاب اللہ کے مضمون کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ ص ۳۲۶/۱ تا ۳۳۲/۱